بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

اشارات

قاعدے کی بات ہے کہ انسانی زندگی کی اجتماعی سرگرمیاں جتنی اہم اور جتنی وسیع الاثر ہوتی ہیں، ان میں شیاطین جن و انس کی دخل اندازیاں بھی اتنی بڑھ جاتی ہیں۔ چنانچہ انتخابات جو کسی قوم کی قیادت کا فیصلہ کرنے کے لئے منعقد ہوتے ہیں، ان میں ارواحِ معصیت ایڑی چوٹی کا زور لگا کے کام کرتی ہیں، تاکہ سیاست و تمدن کی باگ ڈور اربابِ فسق و فجور کے قبضے میں آجائے اور ابلیس اور اس کے لشکر کو انسانی زندگی کے بگاڑنے میں زیادہ مشغولیت کی ضرورت ہی نہ رہے۔ دنیا میں جہاں کہیں بھی انتخابات منعقد ہوتے ہیں، وہاں غیبت اور بدزبانی، بہتان تراشی اور بدگمانی، ساز باز اور جوڑ توڑ، مار دھاڑ اور غنڈہ گردی، ضمیروں کی سوداگری اور ایمان کی تجارت، جاہلی عصبیتوں کی اکساہٹ اور جاہ طلبی کی لعنت کے طوفان اٹھانے کے لئے بے پناہ شیطانی قوتیں میدان میں اتر آتی ہیں۔ معصیت کے لاؤ لشکر فضا کو مکدر کرنے، ذہنی انتشار پیدا کرنے، کینہ جذبات کو اکسانے، شعور کو معطل کرنے، قوت فیصلہ کو ماؤف کرنے، ہنگامہ آرائی اور تصادم بپا کرنے کے لئے ہر ممکن العمل تدبیر کو استعمال کرتے ہیں۔ پاکستان کے آنیوالے انتخابات میں بھی حسب سابق یہ سب کچھ ہوگا اور وہی نقشہ آنکھوں کے سامنے آجائے گا جس کا چیلنج شر و فساد کے سپہ سالار نے ان الفاظ میں دیا تھا کہ:-

لاٰتینّھم من بین ایدیھم ومن خلفھم وعن ایمانھم وعن شمائلھم	میں (حملہ کرنے کے لئے) ان (انسانوں) کے سامنے سے آؤں گا اور ان کے پیچھے سے آؤں گا اور ان کے دائیں پہلو سے آؤں گا اور ان کے بائیں پہلو سے آؤنگا۔

ان احوال کا اندازہ کرتے ہوئے ہمارے بعض خیر خواہ اب تک ہمیں یہی مشورہ دیتے رہے ہیں کہ جماعت اسلامی کو انتخابات کے طوفانِ معصیت سے کنارہ کش رہتے ہوئے سر دست ساحل پر کسی گوشۂ عافیت میں پناہ گزیں ہو کے پڑے رہنا چاہیئے۔ لوگ جب یہاں دنیا پرستانہ سیاست کے شترِ توسن کے ساتھ جولانیاں دکھائیں گے اور ان کے راہوارِ اغراض کے سموں سے جب غیر اسلامی اخلاق کی گرد اڑے گی تو صالحین کے لئے ایک طرف اس

فضا میں سانس لینا مشکل ہوگا اور دوسری طرف آنکھیں کھول کر اسلامی اخلاق کے نشاناتِ راہ کو پہچاننے میں اور اس پر مستقیم رہنے میں دشواریاں پیش آئیں گی۔

فی الواقع یہ آزمائش کوئی ہلکی آزمائش نہیں ہے کہ ایک طرف سے جائز و ناجائز کا سوال سامنے رکھے بغیر ہر تدبیر استعمال کی جا رہی ہو، لیکن دوسری طرف جائز حدود سے قدم باہر نکالنا اپنے مقصد کو اپنے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتارنے کی حیثیت رکھتا ہو۔ عام حالات میں اخلاق کا پابند رہنا ہر بھلے آدمی کا شیوہ ہوتا ہے، لیکن بداخلاقی کے طوفان میں گھر کر اعلیٰ اخلاقی قدروں پر ڈٹ کے کھڑے رہنا تقوے کا وہ بلند ترین مقام ہے جسے حاصل کرنے میں انبیا کے تربیت یافتہ صحابہ کو بھی دیر لگی تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ اقامتِ دین کی راہ میں باطل کی اشتعال انگیزیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے جب "کفوا ایدیکم" کے نازک مراحل آتے ہیں تو عنانِ جذبات کو قابو میں رکھنا انتہا صبر آزما ہوتا ہے۔ راہِ حق میں یہ گھاٹی ایک مشکل ترین گھاٹی ہوتی ہے کہ شیاطین جن و انس برائی کا جواب برائی سے دینے کے لئے پیہم اکسا رہے ہوں اور ہر پہلو سے آ آ کے ٹھونکے لگا رہے ہوں، عزتِ نفس کا غلط احساس دلا رہے ہوں، انتقامی حسیات کو چونکا رہے ہوں، حمیتِ جاہلیہ کو اشتعال دلا رہے ہوں، مخالفین کو دندان شکن جواب دینے کے لئے لغت میں سے تلخ ترین زہریلے کلمات کو چھانٹ چھانٹ کر اور ان سے سینہ زور جملے بنا بنا کر قوتِ نطق کے سامنے آراستہ کر رہے ہوں، حریف کو شکست دینے کے لئے کامیاب چالیں اور اسکیمیں سوچ سوچ کے دماغوں کو فراہم کر رہے ہوں اور پھر ان کے استعمال کے لئے مرعوب کن دلائل جواز بھی گھڑ گھڑ کے لا رہے ہوں تو ایسے لمحے میں "صبر جمیل" کے موقف پر قدم جمائے کھڑے رہنا فوزِ عظیم ہے۔ عین حالتِ جنگ میں حرام اور مکروہ ذرائع کے بھرے ہوئے ترکش قبضے میں ہوں اور پھر بھی ان کو محض خشیۃ اللہ کے زیرِ اثر استعمال نہ کیا جائے —— اگرچہ بازی ہر جانے کا اندیشہ ہو —— ایسا ضبطِ نفس کوئی آسان کام نہیں ہے۔

لیکن ہم نے صورتِ حالات پر بار بار غور کر کے جب اپنی شرعی ذمہ داریوں کا صحیح اندازہ کیا تو ہم اس فیصلے پر پہنچے —— اور ایک مسلم فرد اور جماعت اسی فیصلے پر پہنچ سکتی تھی —— کہ ملتِ اسلامیہ پاکستان اگر انتخابات میں جھوٹ تیرنے والی اخلاقی وباؤں کی زد میں آرہی ہو تو یہ پرلے درجے کی خود غرضی ہو گی کہ کچھ لوگ وبازدہ فضاؤں

سے الگ بیٹھ کر اپنی صحتوں کو بنانے میں لگے رہیں اور وباؤں کو اس بات کی کھلی چھٹی دے دیں کہ وہ اخلاقی موت کا بازار اطمینان سے گرم کریں۔ ہماری شرکتِ انتخابات بالکل وہی حیثیت رکھتی ہے جو کسی وبا زدہ علاقے میں لوگوں کی جانیں بچانے، ان کو طبی امداد بہم پہنچانے حفظ ماتقدم کی تعلیم دینے اور صحت و صفائی کے اصولوں کو عمل میں لانے والی کسی خدمت پیشہ ٹیم کی ہوتی ہے۔ اس ٹیم کے افراد کو بلاشبہ اپنی صحتوں کے رکھ رکھاؤ کے لئے بہت زیادہ اہتمام کرنا پڑتا ہے، لیکن یہ سارا اہتمام وبا زدہ عوام کے اندر کام کرتے ہوئے ہی کیا جاتا ہے، نہ کہ انہیں چھوڑ کر۔

ہماری نگاہ میں جس طرح ایسے قیمتی فانوس اور ایسے سنہرے شمعدان کا وجود عدم برابر ہے جو کسی مزار کے سرہانے بے مصرف شعاعیں بکھیر رہا ہو اور آس پاس کے بیاباں میں انسانی قافلے بھٹک بھٹک کر ادر ٹھوکریں کھا کھا کر رہزنوں کا شکار ہو رہے ہوں، بالکل اسی طرح وہ ایمان و تقویٰ قلب و ذہن کیلئے محض ایک سامانِ زینت ہے جو سیاست و تمدن کے ماحول کو روشن کرنے کیلئے میدان میں آنے کے بجائے مسجد کی چاردیواری میں مخالف طاقتوں کے خوف کی وجہ سے بند پڑا رہتا ہے۔ ان جسموں کی صحتمندی کس کام کی جو لوگوں کو موت کا شکار ہوتے چھوڑ کر کسی کمین گاہ میں پڑے اپنی قوتوں کی تعمیر — محض برائے تعمیر — کرتے رہیں۔ اخلاق کا وہ سرمایہ جسے ہمیشہ نقصان کے اندیشے کے پیشِ نظر تجوریوں میں مقفل رکھا جائے اور جو ہمیشہ غیر پیدا آور Unproductive رہے اجتماعی زندگی کے لئے اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ ایک مسلم فرد اور مسلم جماعت کے پاس اگر کچھ بھی سرمایۂ ایمان و اخلاق ہو تو اسے زندگی کی مارکیٹ میں گردش کے لئے چھوڑ دینا چاہیئے۔ پھر اگر صاحبِ سرمایہ میں صلاحیت ہوگی تو اسکی پونجی منافع لے کے لوٹے گی اور اگر وہ نااہل ہو تو پھر منافع کیسا، اصل پونجی بھی ڈوبے گی۔ لیکن پونجی کا مصرف ہے یہی کہ وہ مارکیٹ میں گردش رہے، ورنہ چاہے اسکی مقدار کتنی ہی بڑی ہو، وہ قطعاً کالعدم ہے۔

اب جب کہ ہم نے اپنے حقیر سے سرمایۂ ایمان و اخلاق کو انتخابات میں اسی طرح استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے، جس طرح پہلے فسادات میں، پھر سرحد کے ریفرنڈم میں، پھر مہاجرین کی بحالی کے کام میں اور پھر تحریک مطالبہ میں اسے استعمال کیا تھا تو ہمیں وہ سارے اہتمام کرنے چاہئیں جو اسے نہ صرف ڈوبنے سے بچائیں، بلکہ اس پر ملک و ملت کو بھی اور خود ہم کو بھی مزید منافع دلائیں۔ ہمیں ایسی تدابیر اختیار کرنی چاہئیں کہ جب ہنگامۂ انتخابات سے

ہم فارغ ہوں اور اپنا میزانیہ Balance Sheet مرتب کریں تو ہمیں محسوس ہو کہ ہمارے اور ملّت کے ایمان و اخلاق میں ایک نمایاں اضافہ ہوا ہے۔ ہم کو ایک قلیل البضاعت تاجر کی طرح اپنی آٹھ سال کی خون پسینے کی کمائی کو میدان میں ڈالتے ہوئے پوری طرح چوکنا ہونا چاہیئے اور اسکی نگہداشت کے سارے وسائل اختیار کرنے چاہئیں۔ اپنے چراغوں کو گھر کے طاقچوں سے اٹھا کر چراغ راہ بناتے ہوئے ان کی بتیوں کو درست کر لینا چاہیئے اور ان میں تیل ڈالتے رہنے کا انتظام کر لینا چاہیئے تاکہ ان کی لوئیں ہوا کے جھونکوں کا مقابلہ کر سکیں۔ ہمیں وبا زدہ فضاؤں میں خدمتِ عوام کا کام کرنے کے لئے اپنی صحتوں کے تحفظ کا ہر ممکن انتظام پہلے سے کر لینا چاہیئے!

اس نازک آزمائش میں پڑتے ہوئے ہماری اولیں ضرورت تعلق باللہ کی استواری ہے۔ یہ تعلق اگر اپنے کم سے کم معیارِ مطلوب سے گر جائے تو پھر ہماری ساری سرگرمیاں دنیا پرستانہ سیاست کا رنگ اختیار کر سکتی ہیں اور دلوں اور ذہنوں کے سارے دروازے شیاطین جن و انس کے لئے چوپٹ کھل سکتے ہیں۔ پھر کوئی پہرہ ایسا نہیں رہتا جو معصیت کے لشکروں کو ضمیروں کے قلعوں میں گھسنے سے روک سکے۔ تعلق باللہ کو قائم رکھنے اور اسے آئندہ مراحل کی ضروریات کے مطابق ترقی دینے کے لئے کم سے کم حسب ذیل امور کا اہتمام پہلے سے زیادہ توجہ کے ساتھ کرنا ناگزیر ہے:-

(۱) جماعت اسلامی پر اللہ کا یہ فضل و کرم ہے کہ اس کے ارکان اور ہمدردوں میں سے کوئی بھی بنیادی عبادات کا تارک نہیں ہے، بلکہ شاید اس کے متفقین میں بھی ایسا گیا گذرا کوئی آدمی نہ ہوگا جو اللہ پر ایمان لانے اور اسکی عبودیت اختیار کرنے کے اولیں عملی تقاضوں سے غافل ہو۔ لیکن صرف عبادات کی سرانجام دہی کافی نہیں، بلکہ ان میں پوری باقاعدگی اور اس کے ساتھ خشوع و خضوع کی جو صفات ہونی چاہئیں، ان میں اب تک معیارِ مطلوب سے ہم سب نیچے ہیں۔ یہ ایک ایسی کمزوری ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے ہم اگر بڑے بڑے معرکوں میں کود پڑے — اور یہ ظاہر ہے کہ معرکہ ہائے حیات سے ہم الگ نہیں رہ سکتے — تو ہم کو خطرناک نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔

ہمارے رفقا کو یہ چاہیئے کہ کتاب و سنت سے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے ان شروط و کوائف کو معلوم کریں جو اللہ کو مطلوب ہیں اور پھر ان کے پورے اہتمام کی فکر کریں خصوصیت سے نماز کی کارروائی میں وقت کی شدید پابندی اور باجماعت نماز کی ایک بڑھتی ہوئی حرص اگر پیدا نہ ہو جائے تو نماز کے اندر خشوع و خضوع کے جوہر کو مکمل کرنا بھی مشکل ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ عبادات میں جان اس وقت تک پیدا نہیں ہوتی جب تک ان کے ساتھ محاسبۂ نفس کی عادت موجود نہ ہو۔ محاسبۂ نفس نہ ہونے کی صورت میں عبادات کا ظاہری قالب چاہے کتنا ہی مکمل ہو، وہ کھوکھلی رہ جاتی ہیں۔

(۲) تعلق باللہ کو نشو و نما دینے کے لئے دوسری ضرورت قرآن اور حدیث کے براہِ راست مطالعہ کی ہے۔ وہ جماعت جس کی ساری سرگرمیوں کا دارومدار ہی اس تعلیم پر ہے جو کتاب و سنت میں اللہ اور اس کے رسولؐ نے پیش فرمائی ہے، اس کے کارکن اگر روزمرہ ایمان و علم کے ان سرچشموں سے سیراب ہوتے رہنے کی فکر نہ کریں تو کیا معلوم کہ کس قدم پر وہ بھٹک جائیں۔ دورِ جدید کی مقبولِ عالم جاہلیتوں کی جن تاریکیوں میں ہم کو اپنا سفر طے کرنا ہے اور علم و ادب سے مسلح ہو کے رہزنی کرنے والے جن غول ہائے بیابانی کے نرغوں سے ہمیں گذرنا ہے ان کے بیچ سے ہوتے ہوئے حکمتِ دین کی قندیل کو ساتھ لئے بغیر اعتماد کے ساتھ چند فرلانگ بھی نہیں چلا جا سکتا۔ جماعت کے ہر کارکن کو گھنٹہ، آدھ گھنٹہ، ورنہ پندرہ بیس منٹ ہی، بہرحال کچھ وقت روزانہ اس مصرف پر باقاعدگی سے لگانا چاہیئے کہ جس اصول و نظام کے قیام کے لئے وہ سرگرداں ہے اسکی حقیقت اور اس کے تقاضوں کو اصل ماخذ سے براہِ راست معلوم کرے۔ زیادہ اگر ممکن نہ ہو تو ایک آیت اور ایک حدیث کو بھی اگر پوری طرح سمجھ کر اور عملی زندگی میں اسے اپناتے ہوئے ہر روز پڑھا جاتا رہے تو انشاء اللہ تریاقِ حق کی یہ چھوٹی چھوٹی خوراکیں بھی اپنے تسلسل کی وجہ سے ہمیں زہریلی فضاؤں کے اثرات سے بچائے رکھیں گی۔

زیادہ بہتر یہ ہے کہ ہفتہ وار اجتماعات میں بھی اور ان کے علاوہ روزانہ درس قرآن و حدیث جاری رکھنے کے لئے بھی جہاں کہیں مستقل انتظامات ممکن ہوں، کئے جائیں۔ جہاں درس دینے کی ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے والا کوئی عالم موجود نہ ہو، وہاں حلقۂ مطالعہ قائم کر کے مختلف تراجم پڑھ کر خدا اور رسول کے دین کا فہم و شعور حاصل کیا جائے۔ بدرجۂ آخر یہ صورت بھی اختیار کی جا سکتی ہے کہ گھروں میں انفرادی طور پر صبح کی نماز یا ناشتے کے بعد اہل و عیال

کے حلقے میں بیٹھ کر ایک آیت اور ایک حدیث کو سمجھ سمجھا کے مطالعہ کیا جاتا ہے۔

کتاب وسنت کے مطالعہ کی یہ سرگرمی بعض مقامی جماعتوں اور بعض افراد میں مناسب پیمانے پر موجود ہے لیکن بعض جماعتیں اور افراد اس میں اب تک کوتاہ ہیں۔ جتنا جلد اس کوتاہی کو دور کر لیا جائے، اتنا ہی تحریک اور اس کے مقصد کے حق میں بہتر ہو گا۔

کتاب وسنت کے سمجھنے میں جو لٹریچر مد ہو ــــ خصوصاً جماعت کے لٹریچر ــــ کا مطالعہ بھی جاری رہنا چاہیئے۔ بہت سے ہمدرد اور نئے ارکان اپنے لٹریچر کے بعض حصص کا مطالعہ کرنے کے بعد مزید مطالعہ سے بے نیاز ہو چکے ہیں اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہم تحریک اور نظامِ جماعت کو سمجھ چکے، اور کچھ وہ بھی ہیں جو ایک مرتبہ جن کتابوں کا چند سال پہلے مطالعہ کر چکے ہیں، ان کو دوبارہ تازہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ حالانکہ پورے لٹریچر کا مطالعہ اور بار بار مطالعہ اشد ضروری ہے، تاکہ ہر رفیق کا ذہن ان تمام مسائل کے متعلق صحیح معلومات سے متمتع رہے جن سے جماعت کو پہلے بھی واسطہ پڑا ہے اور آئندہ بھی پڑے گا۔ یہ اہتمام اس وجہ سے بھی ضروری ہے کہ وقت وقت کے مسائل میں ایک متفق علیہ رائے قائم کرنے کے لئے زاویۂ نگاہ کی جس یکسانی کی ضرورت ہوتی ہے، وہ قائم رہ سکتی ہے۔

(۳) تعلق باللہ کے لئے تطوعات کا اہتمام جتنا ممکن ہو، ہر دور میں تحریکِ اسلامی کے کارکنوں کے لئے ضروری رہا ہے۔ تطوعات میں ضروری امر یہ ہوتا ہے کہ ان کو دوام کے ساتھ عمل میں لایا جائے اور خاص طور پر ان کے اخفا کا لحاظ رکھا جائے۔ تطوعات میں نفل نماز خصوصاً تہجد کا مقام بلند ترین ہے۔ تہجد کی نماز مشکل مراحل سے گزرتے ہوئے تحریکِ اسلامی کے سپاہیوں کا بہترین سہارا ہوتی ہے۔ جو رفقا اس مقام پر نہ پہنچ سکیں وہ کسی دوسرے وقت میں نمازِ تطوع کی دو چار رکعتیں بہر حال اپنے اوپر لازم کرنے کی کوشش کریں۔

دوسرا درجہ نفل روزے کا ہے جو تعلق باللہ کے لئے بہترین ذریعہ ہے۔ مہینے میں تین روز کی روزہ داری مسنون بلکہ صائم الدھر رہنے کے برابر ہے۔ علاوہ بریں احادیث میں خاص خاص ایام کے لئے روزہ رکھنے کو پسند کیا گیا ہے۔ بہر حال اس معاملے میں ڈھیل ہے کہ ہر عشرے میں ایک دن یا ہر مہینے میں ایک دن نفلی روزے کے لئے نکالا جائے۔

پھر تطوعات میں انفاق فی سبیل اللہ کا ایک بلند رتبہ ہے۔ یوں بھی ہماری تحریک کی آبیاری بجز اس کے ممکن نہیں ہے کہ ہم میں سے ہر فرد انفاق فی سبیل اللہ کے جذبے سے سرشار ہو اور اپنی کمائی میں سے ایک حصہ اقامتِ دین کے لئے الگ کرتے رہنے کی عادت ڈال لے۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اب ایسے ایسے مراحلِ کار سامنے آ رہے ہیں کہ شاید ہم لوگوں کو اپنے زیور اور دوسرے اسباب زینت بیچ بیچ کر اللہ کے دین کی پرورش کرنی پڑے۔ ہمیں معلوم ہے کہ ہمارے رفقا کی اکثریت غربا پر مشتمل ہے، چند ساتھی متوسط درجے کے ہیں اور دنیوی مفاد سے ہٹ کے چلنے والی تحریک کو امراء کا تعاون حاصل نہیں ہے۔ ان حالات میں ارکان و ہمدردانِ جماعت جس درجے کا انفاق کر کے بیت المال کو زندہ رکھے ہوئے ہیں، اس کی مثال کوئی دوسری دنیادار جماعت پیش نہیں کر سکتی، لیکن خدا شاہد ہے کہ ابھی یہ انفاق اس معیار سے بہت نیچے ہے جو انبیاء کے صحابہ نے قائم کیا ہے۔ غور کیجیے اس نازک صورت حالات پر جو اب ہمیں درپیش ہے، اس میں اگر کام محض اس وجہ سے بے نتیجہ رہ گیا کہ بیت المال کو اتنی غذا نہ مل سکی جس سے تحریک کی رگوں میں خون دوڑتا رہتا تو ہم لوگ آخر خدا تعالیٰ کو جواب کیا دینگے!

اس پہلو سے ہمیں اپنے جذبے کو ابھی اور زیادہ قوی کرنا ہے۔

(۴) تعلق باللہ کے لئے ایک بنیادی ضرورت ہمہ وقت کے ذکر و دعا کی ہے۔ خدا کے نبی صلعم نے رہبانیت آمیز ذکر کے بجائے اپنی امت کو صبح سے شام تک پیش آنے والے مراحل کے لئے ایک ایسا ذکر سکھایا ہے جو سوتے، جاگتے، چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، موقع بموقع جاری رہتا ہے۔ سو کر اٹھنے کے لئے، گھر سے نکلنے کے لئے، گھر میں آنے کے لئے، کوئی کام شروع کرنے کے لئے، کسی خوشی کے موقع پر، کسی غم و حسرت کے مقام پر، کسی غلطی کے سرزد ہو جانے پر، اذان سنتے ہوئے، وضو کرتے ہوئے، چھینک آنے پر، مسلمان بھائی سے ملتے ہوئے، کھانے سے فراغت پانے پر، پانی سے سیراب ہوتے ہوئے، غرضیکہ ہر چھوٹے سے چھوٹے موقع کے لئے ذکرِ الٰہی اور دعائے خیر کے لئے نبی صلعم نے چھوٹے چھوٹے پاکیزہ کلمات سکھائے ہیں۔ ان کلمات کو شعور کے ساتھ ادا کرتے ہوئے ایک مسلمان اپنے آپ کو اپنے آقا و مولا سے وابستہ رکھتا ہے اور دنیا کے ہنگاموں میں کبھی بھی غافل ہو کر کھو نہیں جاتا۔ ذکر و دعا سے اس شخص کی زندگی بھر جاتی ہے جو صبح سے شام تک کبھی سبحان اللہ، کبھی الحمد للہ، کبھی استغفر اللہ، کبھی لاحول ولا قوۃ الا باللہ، کبھی صدق اللہ و رسولہ، کبھی رب اغفر وارحم، کبھی انت ولی

فے الدنیا وفی الآخرہ، کبھی حسبی اللہ ربی، کبھی نعم المولیٰ ونعم الوکیل سچے جذبے کے ساتھ کہتے ہوئے اپنے حاکم وکارساز سے تعلق کو قائم رکھتا ہے۔ وہ قدم قدم پر قادرِ مطلق سے توفیقِ خیر طلب کرتا ہے، وہ رہنمائی حاصل کرتا ہے، وہ بھلائی کی آرزو کرتا ہے، وہ شیطان کی سرگرمیوں کے مقابلے میں اسکی پناہ چاہتا ہے، وہ غلطیوں پر متنبہ ہو کر مغفرت کی درخواست کرتا ہے۔ اس طرح اسکی زندگی ہمہ تن ذکر اور ہمہ تن خیر بن جاتی ہے۔

اس طرح کے ہمہ وقت کے ذکر کو ـــــ بشرطیکہ وہ شعوری ہو ـــــ اپنانا جماعت اسلامی کے کارکنوں کے لئے بہت ضروری ہے نیز ہر لمحے اپنے ایمان، اخلاق، صبر و توکل اور ضبط و نظم کی مضبوطی کے لئے دعائیں اور آرزوئیں کرنا بھی ایک ایسا وظیفہ ہے جو کسی معرکہ میں کام کرتے ہوتے بہت ہی نتیجہ خیز ثابت ہو سکتا ہے۔

واضح رہے کہ وہ ذکر و دعا جو شعوری نہ ہو، جس میں اپنے دل کے احوال و کوائف سے توجہ ہٹی ہوئی ہو جس میں اللہ کی حضوری کا احساس ناپید ہو، جو ریاکاری سے آلودہ ہو جائے اور جس کی حیثیت اعصاب کی ایک ورزش کی سی ہو جائے، اس سے نتائج مطلوبہ برآمد نہیں ہو سکتے۔ پس ذکر ہو تو فکر کے ساتھ ہو اور ریا سے پاک ہو!

کسی بڑی مہم میں کوئی بھی جماعت اگر اس حالت میں شریک ہو کہ اس کا نظم ڈھیلا ہو تو اسکو اس موٹر گاڑی کا سا انجام پیش آسکتا ہے جس کے پرزے اپنی اپنی جگہ پر ٹھیک کسے ہوتے نہ ہوں اور ڈرائیور اسے پہاڑی اور ریگستانی راستوں پر ایک لمبا سفر طے کرنے کے لئے لے نکلے اور پھر سفر میں جانے کے بعد قدم قدم پر اسے مشکلات کا سامنا ہو، یہاں تک کہ گاڑی کی مشین کسی نازک مرحلے پر بالکل ہی جواب دے دے۔

نظمِ جماعت بلاشبہ ہر جماعت کے لئے ایک طبعی ضرورت کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن ہماری نگاہ میں طبعی ضرورت کے علاوہ اسکی حیثیت عین دین و اخلاق کی اور اللہ کی عبادت کی اور رسولِ کریم علیہ التحیۃ والسلام کی اطاعت کی ہے۔ اس وجہ سے دوسروں کے ہاں نظم کی کمزوری صرف اس لئے ناگوار ہوتی ہے کہ وہ کام میں حائل ہوتی ہے، لیکن ہمارے لئے تو وہ ایسی معصیت ہے جو عاقبت کو خراب کر دینے والی ہے۔ پس نظم جماعت کو کسے رکھنا اور اس کے لئے ہر رفیق کا پاسباں بن کے کھڑے رہنا ضروری ہے۔

نظم جماعت کے سلسلے میں چند اہم امور کا تذکرہ کر دینا مناسب ہوگا:-

(۱) نظمِ جماعت کی ریڑھ کی ہڈی امر و اطاعت کا توازن ہے۔ یہ توازن برقرار نہ رہے تو پھر نظمِ جماعت کے سرے سے کوئی معنی نہیں رہتے۔ یہی وجہ ہے کہ اس امر و طاعت کے توازن کو درہم برہم کر دینا وہ گناہِ کبیرہ ہے جو عین خدا و رسول کی نافرمانی ہے اور جس کے بعد دنیا و آخرت کی فلاح حاصل نہیں ہو سکتی۔

قرآن کا مطالبہ یہ ہے :-

اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم	اللہ کی اطاعت کرو، اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور تم (اللہ اور رسول کی اطاعت کرنے والوں) میں سے جو لوگ اولی الامر قرار پائیں ان کی اطاعت کرو۔

واضح رہے کہ یہ تینوں اطاعتیں واجب ہیں اور ان میں سے کسی ایک کا ترک ایک مسلم کو خسران کے مقام پر لے آتا ہے۔ خود نبی صلعم نے فرمایا کہ :-

من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ، ومن اطاع امیری فقد اطاعنی ومن عصٰی امیری فقد عصانی (بخاری و مسلم)	جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی، اور جس نے میرے (یعنی آنحضورؐ کے مقرر کردہ یا آنحضورؐ کی پیروی کرنے والے) امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی، اس نے میری نافرمانی کی!

حضرت ابوہریرہ کا ایک قول جو اسی مدعا کی وضاحت کرتا ہے عقد الفرید میں یوں درج ہے !

ان طاعۃ الائمۃ من طاعۃ اللہ و عصیانھم من عصیان اللہ	بلاشبہ ائمہ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے اور ان کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے۔

بے شمار احادیث و روایات جو اس سلسلے میں قطعی الاحکام ہیں کتبِ احادیث میں مذکور ہیں۔ ان سب کا مدعا یہ ہے کہ اسلامی ریاست کو چلانے کے لئے یا اقامتِ دین کی جدوجہد کے لئے جو نظمِ جماعت اسلامی آئین و حدود پر

قائم ہو، اس میں جو لوگ اسلامی معیارِ قیادت کے پیشِ نظر اپنے علم و تقوے میں ارفع ہونے کی بنا پر امارت کے لئے منتخب کئے گئے ہوں، ان کی اطاعت (فی المعروف) کرنا اہم ترین شرعی فرائض و واجبات میں شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلعم نے صاف صاف فرمایا کہ اگر نکٹا حبشی بھی امارت کے مقام پر سرفراز ہو تو باوجودیکہ اسکی شکل و صورت، اس کا نسلی و نسبی مقام، تمدنی آداب و رسوم میں اس کا ذوق، جذبات اور حسیات میں اس کا مخصوص رجحان کسی کا چاہے کتنا ہی ناپسند کیوں نہ ہو، اسکی پوری پوری اطاعت کرنا ضروری ہے۔ نبی صلعم نے یہ بھی واضح فرما دیا کہ اس مطالبہ اطاعتِ امیر سے جو لوگ روگردانی کریں، ان کے تقوے کی بڑی سے بڑی مقدار بھی انہیں آخرت کی کامرانی سے ہمکنار نہ کر سکے گی:۔

من خلع یداً من طاعۃ لقی اللہ یوم القیٰمۃ لا حجۃ لہٗ (مسلم)	جس کسی نے طاعت امر سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا وہ قیامت کے روز اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ (اپنے آپ کو برسرِ حق ثابت کرنے کے لئے) اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی!

ان اشارات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلامی نظامِ جماعت میں نظامِ امارت کی حیثیت وہ نہیں ہے جو عام دنیا پرست سیاسی جماعتوں کے صدروں، نائب صدروں، صوبائی اور ضلعی ناظمین اور ان کے مشیروں کی ہوتی ہے۔ بلکہ اسلامی نظامِ امارت میں امیر، نائب امرا، صوبائی ضلعی اور مقامی امرا، دوسرے ناظمینِ شعبہ جات اور ان کے ارکانِ شوریٰ کا مقام ایک خاص طرح کا شرعی اور دینی مقام ہوتا ہے جس کے حقوق و واجبات بھی شرعی اور دینی ہیں، نہ کہ مصلحتی۔ ان وجوہ سے اسلامی نظامِ امارت کی اطاعت کا معاملہ ویسا نہیں ہے جیسا سیاسی پارٹیوں میں ہوتا ہے۔

جب تک اسلامی نظامِ جماعت کے اربابِ امر کتاب و سنت سے کھلا کھلا انحراف نہ کریں، ان کے احکام اور ان کی ہدایات سے سرتابی کرنا، یا ان کی اطاعت بطوع و رغبت کرنے کے بجائے بددلی کے ساتھ کرنا یا ان کے لئے خیر خواہانہ جذبات رکھنے کے بجائے کینہ و نفرت کے جذبات دلوں میں رکھنا، ان کے خلاف سازشیں کرنا، ان کی غیبت کرنا، ان کے متعلق بددلی پھیلانا، ان کو واقعات

دا حوال سے آگاہ کرتے ہیں اور راہِ صواب پر چلنے کے لئے صحیح مشورے دینے میں بخل دکھاتا اور ان کے سونپے ہوئے رازوں کو نشر کرنا، یہ سب کچھ کبیرہ گناہوں میں داخل ہے۔ اور یہ ایسے کبائر ہیں کہ ان کی وجہ سے عبادت کی انجام دہی اور عام اخلاق کی درستی کے باوجود آدمی کی عاقبت تباہ ہو سکتی ہے۔ یہ وہ خطرناک آلائشیں ہیں جو آدمی کو نفاق کے گڑھے میں دھکیل سکتی ہیں، اس وجہ سے اسلامی نظام جماعت کے اندر چلنے والوں کو طاعتِ امرا کے معاملے میں بہت محتاط ہونا چاہیے۔

---

(۲) اسلام نے اندھی اطاعت کا مطالبہ یقیناً نہیں کیا ہے، بلکہ وہ صرف اطاعت فی المعروف چاہتا ہے معروف کی حدود سے باہر اس کا حکم "لا تعاونوا علی الاثم والعدوان" کا ہے۔ اسلامی نظام جماعت اس کا مقتضی ہے کہ اس کے سارے ارکان امرا کی روش پر کڑی نگاہ رکھیں اور انہیں معروف کی حدود سے کوئی قدم باہر نہ نکلنے دیں، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا تھا کہ:۔

یا ایھا الناس! من رای منکم فیّ اعوجاجاً فلیقومہ	اے لوگو! تم میں سے جو کوئی میرے رویے میں کوئی کجی دیکھے تو اس کا فرض ہے کہ وہ میری اس کجی کو سیدھا کر دے۔

اس سلسلے میں کسی امرِ اجتہادی میں اگر اختلاف ہو تو اسے صاف کرنے کے لئے اسے پیش کرنے کا، اس پر بحث کرنے کا، اور اگر صاف نہ ہو سکے تو اس پر قائم رہنے کا حق بھی جماعتِ اسلامی کے ارکان کو از روئے شریعت حاصل ہے، لیکن طاعت بہرحال اسی فیصلے کی کرنی لازم ہے جو اربابِ امر کی طرف سے نافذ العمل ہو۔ طاعت کا قلادہ گردن سے نکال لینے کے لئے یہ دلیل کافی نہیں ہے کہ فیصلہ میری رائے کے خلاف کیوں ہوا اور حالات کو اس نظر سے کیوں نہیں دیکھا گیا جس نظر سے میں دیکھتا ہوں۔ طاعت کا قلادہ صرف اسی صورت میں نکالا جا سکتا ہے جب کہ بالفاظِ رسالتمآب "ان تروا کفراً بواحاً" اسلام سے کھلا کھلا انحراف پایا جائے۔

امرا کو راہِ حق پر سیدھا رکھنے کے لئے تنقید بھی ماموروں کا ایک بنیادی حق ہے، لیکن اسلامی نظام جماعت میں تنقید اس سوئے ظن کے ساتھ کرنا جو سیاسی جماعتوں کا خاصہ ہے، غیر اسلامی طریق کا ہے۔ اسلامی نظام

جماعت میں تنقید حسنِ ظن کے ساتھ ہوتی ہے اور اس میں اعتراض اور شکایت کے انداز کے بجائے خیر خواہانہ مشورہ کی روح کار فرما ہوتی ہے۔ اسلامی جماعت میں تنقید کا صرف وہی، پاکیزہ اسلوب کھپ سکتا ہے کہ جس میں نہ ناقد کے اندر تلخ جذبات کام کر رہے ہوں اور نہ مخاطب میں اس سے کراہت پیدا ہو، وہ کہ جس میں کوئی انتقامی اسپرٹ شامل نہ ہو اور وہ کہ جس میں ذاتی کدورت موجود نہ ہو، وہ کہ جس میں اپنی بات منوانے کی ضد کا اثر نہ ہو اور وہ کہ جس کے قبول نہ کیے جانے پر آدمی پر بددلی کا دورہ نہ پڑ جائے۔ پھر اسلامی تنقید کی شان یہ ہے کہ وہ رو در رو ہوتی ہے، نہ کہ پسِ پشت۔ پسِ پشت اگر کچھ کہا جائے تو وہ غیبت ہے، نہ کہ تنقید۔ غیبت اسلامی نظام سے پرلے درجے کی بدخواہی ہے، حالانکہ تنقید اس کی بہترین خیر خواہی ہے۔ ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اسلامی نظامِ جماعت میں امراء پر جتنے زیادہ صاف سے صاف الفاظ میں تنقید کی جائے، اتنا ہی جماعت کے حق میں رحمت ہوتا ہے، لیکن یہ بہرحال حفظِ مراتب کے اسلامی اخلاق کے خلاف ہے کہ امراء پر طنز و تعریض کے چبھتے ہوئے فقرے کسے جائیں، ان کے لئے احترام سے ہٹے ہوئے فقرے استعمال کر کے دلوں کا بخار نکالا جائے، ان کا مذاق اڑایا جائے، یا ان کی کمزوریوں کا ذکر کر کر کے مزے لئے جائیں۔

حقِ تنقید کا یہ استعمال بھی مفسدہ انگیز ہوتا ہے کہ اس پر قانونی بندشیں نہ ہونے کی وجہ سے اسے مستقل پیشہ بنا لیا جائے اور اہلِ امر کی ہر حرکت، ہر عمل اور ہر فیصلے پر، بلکہ ان کے ایک ایک فقرے پر جا و بے جا گرفت کرنے کا سلسلہ شروع ہو جائے اور ان سے ہر امر کے متعلق مطالبہ کیا جائے کہ اس کے پورے پورے دلائل بیان کرو۔ یہ حالت اگر پیدا ہو جائے تو امارت کی ذمہ داری کو لے کر کوئی انسان بھی ایک دن نہیں چل سکتا۔ پھر تو زمامِ امر ہاتھ میں لینے والے کا کام یہی رہ جائے گا کہ وہ ماموین کے سامنے بیٹھا جواب دہی کرتا رہے اور ان کے اعتماد کو بحال کرنے کے لئے اپنے ایک ایک جملے اور ایک ایک فعل کا تفصیلی تجزیہ کر کر کے سمجھاتا رہے کہ اس میں کوئی قابلِ شکایت چیز نہیں ہے۔

ان سطور کے پیشِ نظر اگر سوچا جائے تو اندازہ ہوگا کہ امراء کے مقابلے میں حقِ نصح یا حقِ تنقید استعمال کرتے ہوئے صراطِ مستقیم پر چلنا بہت ہی احتیاط کا تقاضا کرتا ہے۔ اس احتیاط کے تقاضے سے اگر صرفِ نظر کر لیا جائے تو آدمی تنقید کا حق غلط اسلوب سے استعمال کرتے ہوئے نظامِ جماعت کے لئے ایک خطرناک روگ بن سکتا ہے اور خود

اس کی عاقبت خطرے میں پڑ سکتی ہے۔

غلط تنقید کی ایک بڑی علامت یہ ہے کہ وہ طاعت میں حائل ہو جاتی ہے اور ایک شخص نظام امارت کے حقوق میں کھلی کھلی خیانت کرنے پر اتر آتا ہے۔ پس طاعت اپنی جگہ پر اور تنقید اپنی جگہ پر رہنی چاہیے۔ طاعت کو ختم کرنے والی چیز معصیتِ خالق کے ظہور کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

---

(۳) نظامِ طاعت کی پابندی میں شخصیتوں کے ادل بدل سے کوئی فرق نہیں لایا جا سکتا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک جماعت کے وسیع نظامِ امارت کا بار اٹھانے والی ایک بڑی ٹیم کے افراد میں سے کوئی اونچا ہو، کوئی نیچا، کسی کا علم زیادہ ہو، کسی کا تقویٰ، کسی کو دورِ جدید کے خاص تقاضوں پر زیادہ دسترس ہو اور کسی کو قرونِ اولیٰ کے شئون کی گہری بصیرت حاصل ہو، کسی کی نگاہ احکامِ شریعت کے ظاہر پر زیادہ رہتی ہو اور کوئی احکام کی حکمتوں کا لحاظ رکھنے میں خاص توجہ دے، کسی کے نزدیک تحریک کا ایک پہلو زیادہ اہمیت رکھتا ہو، کسی کے نزدیک دوسرا پہلو اولیں توجہ چاہتا ہو، پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی کا مزاج ذرا سخت ہو، کسی کا نرم، کوئی زیادہ بے تکلفی کو پسند کرتا ہو، کوئی باوقار مسلک کا خوگر ہو، کوئی گرمیٔ گفتار کو پسند کرے اور کوئی خاموشی سے کام کرنے والا ہو، پھر لباس، وضع قطع، نشست و برخاست، کھانے پینے، وغیرہ وظائفِ زندگی میں مختلف افراد کے ذوق مختلف ہو سکتے ہیں۔ شخصی ذوق، رجحان اور طبیعت کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں جو ایک نظامِ جماعت کی مجموعی پالیسی کی وحدت کے باوجود اپنا کام ایک خاص حد تک کرتے ہیں۔ ان فروق و اختلافات کی وجہ سے مختلف اہلِ امر کی حیثیتیں مختلف نہیں ہو جاتیں کہ ہر ایک کے حقوقِ طاعت میں کمی بیشی کی جا سکے اور اگر ان میں ادل بدل ہو جائے تو لوگ اس امر کی جستجو کریں کہ فلاں میں وہ ذوق اور وہ اطوار کیوں نہیں ہیں جو فلاں میں ہیں اور جب ایک قسم کے طرزِ عمل سے مانوس ہو جانے کے بعد کوئی ادل بدل واقع ہو تو طبائع میں اضطراب نمودار ہو اور حرکت و عمل کی رفتار سست پڑنے لگے۔ اسی مفسدے کے سدباب کے لئے نبی صلعم نے یہ ہدایت دی تھی کہ ایک نکٹا حبشی بھی اگر کسی امر میں تمہارا امام ہو تو "فاسمعوا واطیعوا" پر عمل کرو اور یہ نہ دیکھو کہ اس کی صورت کیسی ہے اور اس کا لباس کیسا ہے اور اس کے ذوق اور آداب و شعائر کس طرح کے ہیں۔ طاعت کو شریعت نے اس امر پر منحصر نہیں کیا ہے کہ

اہلِ امر کا شخصی ذوق و رجحان ہر پہلو سے ماموریں کی منشا کے مطابق ہو۔

اسلامی تحریک شخصیتوں کے محور پر نہیں گھومتی، بلکہ یہ ایک وقت میں اگر نبی صلعم کی رہنمائی میں چلتی ہے تو دوسرے وقت حضرتِ صدیق "وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسول، افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم" کے کلمات بلند کرتے ہوئے آتے ہیں اور تحریک کی باگ ڈور سنبھال لیتے ہیں، اور آپ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ جیسا سخت مزاج خلیفہ اس کی عنانِ قیادت تھامتا ہے، پھر حضرت عثمان جیسی حلیم ہستی اس ذمہ داری کو اپنے کندھوں پر لیتی ہے اور پھر حضرت علی اپنی خصوصیات کے ساتھ اس کی سربراہ کاری کرتے ہیں — اس سارے ادل بدل میں نظام طاعت کی فرضیت بحال رہتی ہے اور اسے توڑنا ایک ہی طرح کا گناہِ کبیرہ رہتا ہے۔

اس بات کو کبھی نہ بھولیئے کہ ہمیں مرکزی، صوبائی، ضلعی اور مقامی امارت کی اطاعت شخصیتوں کے پیش نظر نہیں، بلکہ ان مناصب کی شرعی حیثیت کے پیشِ نظر کرنے پر مامور کیا گیا ہے۔ پس شخصیتیں حالات و ضروریات کے ماتحت چاہے روزانہ بدلتی رہیں، لیکن خدا و رسول نے امارت کے جو حقوق ہمارے اوپر واجب ٹھہرائے ہیں، ان کی ادائی پوری دیانت داری کے ساتھ یکساں جاری رہنی چاہیئے۔

دم) اب تک ماموریں کی ذمہ داریاں بیان کی گئی ہیں، ان کے مقابل دوسری طرف اہل امر کی ذمہ داریاں ان سے بھی زیادہ نازک ہیں۔ جب تک اہل امر اپنے حصے کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کا اہتمام نہ کریں نظامِ امر وطاعت کا توازن برقرار نہیں رہ سکتا۔ ماموریں کے مقابلے میں اہل امر کی اخروی بازپرس بھی زیادہ شدید قسم کی ہوگی اور دنیا میں تحریکِ اسلامی کی کامیابی کا زیادہ دارومدار بھی ان کی صحتِ کار پر ہوتا ہے۔ خود ماموریں طاعت پر صحیح معنوں میں اسی صورت میں قائم رہ سکتے ہیں جب کہ اہلِ امر اپنے حصے کے فرض — یعنی امر — کے معاملے میں اپنے فرائض کو ٹھیک ٹھیک ادا کریں۔

اس سلسلے میں ذیل کی آیت بہترین رہنمائی کرتی ہے جس میں اللہ تعالےٰ نے نبی صلعم کی شانِ امارت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:۔

فبما رحمة من الله لنت لهم و لو کنت فظا غلیظ القلب لا نفضوا من حولک فاعف عنهم واستغفر لهم وشاورهم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی الله ان الله یحب المتوکلین

یہ کچھ اللہ ہی کی مہربانی ہے کہ آپ ان (مسلمانوں) کے لئے نرم خو ہیں، اور اگر آپ درشت کلام اور تلخ مزاج ہوتے تو یہ آپ کے آس پاس سے منتشر ہو جاتے پس ان کی غلطیوں سے درگزر کیجئے، ان کے لئے بخشش طلب کیجئے، اور معاملات میں ان سے مشورے لیجئے۔ پھر جب آپ (مشورے کے بعد) کسی بات کا تہیہ کر لیں تو اس کے بعد اللہ پر بھروسہ کریں۔ یقیناً اللہ (اپنے اوپر) بھروسہ کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

اس آیت میں نبی صلعم کے پیروی میں کام کرنیوالے ان تمام اہل امر کے لئے وہ بنیادی ہدایت دے دی گئی ہے جس کو ملحوظ رکھے بغیر اسلامی جماعت کا نظم خوبی سے کام نہیں کر سکتا۔ اسلامی امارت کے ہر فرد کو اس آیت کی روشنی میں جن امور کا پابند رہنا چاہیئے اور جن کے مطابق اپنے مزاج کو ڈھالنا چاہیئے وہ یہ ہیں:-

۱۔ کوئی امارت اپنا صحیح وظیفہ کامیابی سے سرانجام نہیں دے سکتی، جب تک کہ اس میں بلا تمیاز جملہ رفقائے جماعت کے لئے لینت، شفقت اور نرم خوئی کا وصف موجود نہ ہو۔ اسلامی نظام امارت کے ارکان کا رویہ ایسی جماعت گیر شفقت پر مشتمل ہونا چاہیئے کہ ہر فرد یہ محسوس کرے کہ سب سے زیادہ قرب اور سب سے زیادہ اعتماد شاید مجھی کو حاصل ہے کسی شخص کو اپنے دل کی بات کہنے میں جھجک نہ ہو کسی کو حلقۂ اہل امر میں داخل ہوتے ہوئے کوئی ذہنی احساس مانع نہ ہو اور کسی فرد کو کوئی اونچ نیچ محسوس نہ ہو۔ یہ چیز جہاں نہیں ہوتی، وہاں اہل امر اور مامورین میں ذہنی، قلبی اور مجلسی بُعد پیدا ہوتا جاتا ہے اور رفاقت کی روح میں کمزوری آنے لگتی ہے۔ یہی حقیقت تھی جسے علامہ اقبال نے یوں بیان کیا تھا کہ:

"کوئی کارواں سے ٹوٹا کوئی بدگماں حرم سے — کہ امیر کارواں میں نہیں خوئے دلنوازی"

بس یہی خوئے دلنوازی ہے جس کا مطالبہ یہ آیت کرتی ہے۔

خوئے دلنوازی کے اس مطلب ہے سے یہ مراد لینا ایک زیادتی ہوگی کہ امیر کسی معاملے میں سختی نہ کریں، کسی کوتاہی پر باز پرس نہ کریں، کسی نازیبا حرکت پر ٹوکنے نہ پائیں اور ایک ایک رکن جماعت کی خوشامد کرتے پھریں۔ بخلاف اس کے حکمت و مصلحت کے مطابق جہاں شدت و غلظت سے کام لینے کے مواقع آئیں، وہاں سختی کرنے کا تلخ فرض ادا کرنے میں کوتاہی کرنا جماعت کے مفاد کے خلاف ہوگا۔ امارت کو اصول، مقصد اور نظم کی پاسبانی میں رفقا سے بسا اوقات تحکم کا رویہ اختیار کرنا پڑتا ہے، لیکن اس کی روح رحمت و شفقت کی روح ہوتی ہے، اگرچہ اس کا ظاہری پیرایہ سخت گیرانہ ہوتا ہے۔

ب۔ اہلِ امر کو چونکہ تمام رفقا کی حرکات و سکنات کا جائزہ لینے کا موقع ملتا ہے اور اس وجہ سے ان کے بہت سے عیوب، بہت سی کمزوریاں، بہت سی غلط کاریاں اہل امر کے سامنے آتی رہتی ہیں ۔ کسی نے اپنی ڈیوٹی کی انجام دہی میں کوتاہی کر دی، کسی نے مخالفینِ تحریک سے کوئی نازیبا بات کہہ دی، کسی نے کوئی غلط جذباتی مظاہرہ کر دیا، کسی نے کوئی اہم راز کی بات برسرِ عام کہہ دی، کسی نے اپنے کسی رفیق سے یا کسی غیر سے بدمعاملگی کر دی، کسی نے غیبت کی، کسی نے شکایت کی ــــ اور ان حالات میں انسانی طبیعت بدگمانی اور تکدر کا اثر قبول کیے بغیر نہیں رہ سکتی۔ آہستہ آہستہ اس قسم کی کمزوریوں کو دیکھ دیکھ کر اہلِ امر کے دل خاص خاص افراد کے متعلق بھی اور اپنے پورے حلقے کے متعلق بھی تلخی سے بھرنے لگتے ہیں اور ایک طرح کی کراہت شدت و غلظت کے روپ میں ربط ضبط اور طرزِ کلام میں ظاہر ہونے لگتی ہے اور اس سے دل پھٹتے ہیں، بدگمانیاں بڑھتی ہیں اور نظامِ امر و طاعت کے پیچ ڈھیلے ہونے لگتے ہیں۔ مذکورہ بالا آیت اسی معاملے میں انتباہ کرتی ہے اور اہلِ امر کو وہ یہ درس دیتی ہے کہ وہ اپنے رفقا کی کمزوریوں کو دیکھیں اور ان کو معاف کرتے جائیں اور دل میں کسی طرح کی گرہ نہ پڑنے دیں اور اپنے اندر مایوسی اور تکدر کو داخل نہ ہونے دیں، کیونکہ مختلف طبائع مختلف کمزوریاں رکھتی ہیں اور بہت محنت کے بعد آہستہ آہستہ ان کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ صرف یہی نہیں کہ اپنی طرف سے عفو و درگزر سے کام لیا جائے، بلکہ شفقت کا تقاضا یہ ہے کہ انکی غیر حاضری میں اپنے اللہ سے ان کے لئے دعائے مغفرت کی جائے۔ یہ باہمی محبت کے جوڑ کو مضبوط کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

ج۔ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ کا اقتضا یہ ہے کہ اہل امر موقع بموقع اپنے مختلف رفقا سے ان کی

حیثیتوں اور ان کے علم و بصیرت کے مطابق مشورہ طلب کرتے رہیں۔ باہمی مشاورت سے اعتماد بڑھتا ہے، بدگمانیاں دور ہوتی ہیں اور فیصلوں پر عمل کرنے کرانے میں سہولت ہوتی ہے۔

مشورت یقیناً فرض ہے اور جس معاملے میں بھی جو رفقا بھی صحیح مشورہ دینے کے اہل ہوں ان سے استصواب کرنا عین ارشادِ الٰہی کا اتباع ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر معاملے میں ہر شخص سے لازماً مشورہ لیا جائے، بلکہ ضروری یہ ہے کہ جس معاملے میں جس کا مشورہ لینا مناسب ہو، اس سے ضرور مشورہ طلب کیا جائے۔ بعض صورتوں میں خاص اشخاص سے، بعض میں جماعت کی منتخب کردہ شوریٰ سے اور بعض میں عام ارکان اور رفقا سے حسبِ مصلحتِ جماعت مختلف معاملات میں رائے طلب کرنا اور پھر آراپر غور و خوض کرنا اقامت دین کی جدوجہد کے لئے قوت بخش ہے، نیز اس سے نظامِ جماعت مستحکم رہتا ہے۔ مشاورت اس بات کا بھی بہترین وسیلہ ہے کہ اس کے ذریعے مختلف ذہن اور دماغ باہم ہم آہنگی پیدا کرتے ہیں، اور پیشِ نظر معاملات میں ہونے والے فیصلوں پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

(د) آخری ارشاد جو اہلِ امر کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اس کا مفاد یہ ہے کہ جب ضروری مشورت کے بعد ایک معاملہ طے ہو جائے تو پھر اس پر ذہن کو یکسو کر کے مضبوطی سے قائم ہو جانا چاہیئے۔ ایک بڑی جماعت کے اہلِ امر کو روزمرہ کے مختلف پھیلے ہوئے امور و مسائل میں........ فیصلے ہو جانے کے بعد بھی اختلافِ آرا کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور مسلسل نو بنو مشورے ان کے آگے رکھے جاتے رہتے ہیں۔ لیکن اگر فیصل شدہ امور میں بار بار ادل بدل کی پالیسی اختیار کی جائے تو عملی سرگرمیوں کا ایک رُخ پر کامیابی سے چلنا ممکن نہیں رہتا، بلکہ الٹا اہلِ امر کے دلوں میں تذبذب اور انتشارِ فکر کی خرابی ابھرتی ہے جس سے جماعت کی مجموعی پالیسی میں بھی دوامی اضطراب پیدا ہو جاتا ہے۔ انہی وجوہ سے شارع نے یہ چاہا ہے کہ باقاعدہ ایک نتیجے پر پہنچ جانے کے بعد مشورے دینے والے رفقا کو اس بات کی تربیت کی جائے کہ وہ فیصل شدہ امور کو قبول کر کے عملی ذمہ داریوں کو پورا کریں۔

---

(۵) نظم امر و طاعت کے سلسلے میں کہنے کی باتیں اور بھی ہیں:۔

اور مختلف امارتوں اور تنظیمی دفتروں کی طرف سے جو سرکلر اور ہدایت نامے جاری ہوتے ہیں، ان کے بارے میں طاعت کی شرعی فرضیت کا احساس کچھ کمزور ہے۔ ان ہدایات اور گشتی مراسلوں کو غالباً معمولی دفتری چیزیں سمجھا جاتا ہے، حالانکہ جماعت کے نظامِ امارت کے تحت کوئی بھی قیم یا سکرٹری جب بھی کوئی مراسلہ جاری کرتا ہے تو اسکی حیثیت عین اسی "امر بالمعروف" کی ہوتی ہے جس کے بارے میں "واطیعوا اولی الامر منکم" کو لازم ٹھہرایا گیا ہے۔ یہ مراسلے درحقیقت اس قابل ہوتے ہیں کہ ان کے ایک ایک لفظ پر پورا پورا غور کیا جائے اور ان کی بروقت تعمیل کے لئے پوری پوری قوت صرف کی جائے ——— اسی جذبۂ عبودیت کے ساتھ جس کے ساتھ تمام احکام شریعت کی تعمیل کی جاتی ہے۔

ب۔ اجتماعات میں حاضری کے لئے جو وقت مقرر کیا جاتا ہے، کسی ڈیوٹی پر پہنچنے کے لئے جو موقع اور جو لمحہ طے کیا جاتا ہے اور اسی طرح کسی اطلاع یا رپورٹ کے پہنچانے یا کسی امر کی تعمیل کے لئے جو صورت یا جو گھڑی متعین کی جاتی ہے، اس کی پابندی کرنے میں جس باقاعدگی کی ضرورت ہے، وہ ابھی ہم میں پیدا نہیں ہوئی۔ اس بات پر فخر کرنا ایک فضول حرکت ہے کہ دوسری جماعتوں سے ہماری باقاعدگی کا معیار بلند ہے، دیکھنا تو یہ ہے کہ کیا رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لئے باقاعدگی کا جو کم سے کم معیار قائم ہونا چاہیئے، وہ ہو سکا ہے یا نہیں؟ —— افسوس ہے کہ وہ ابھی نہیں ہو سکا، اور اس کے لئے خاص فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ لوگ اب تک اس ذمہ داری کا پورا پورا احساس اپنے اندر پیدا نہیں کر سکے کہ ان میں سے ہر فرد کی حیثیت ایک چلتی کل کے پرزے کی سی ہے اور وہ پرزہ اگر اپنا مقررہ فرض سرانجام دینے میں تاخیر کر دیتا ہے یا بے قاعدگی سے کام لیتا ہے تو ساری کل اپنا وظیفہ بروقت پورا کرنے میں ناکام رہ جاتی ہے۔ اس کوتاہی کو ساتھ لے کر ہم کسی بڑی مہم میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ رفقا کو چاہیئے کہ اپنے آپ کو نظمِ جماعت کی کل کے پرزوں کی حیثیت سے باقاعدگی کے ساتھ کام کرنے کا فن سکھائیں۔

ج۔ جیسا کہ اوپر کی بحثوں سے واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے، طاعتِ امر اور طاعتِ نظم میں کوتاہی کرنا ایک معصیت ہے جس کے لئے اپنے آقا و مولا کے حضور میں جواب دہی کرنی ہوگی لیکن محسوس یہی ہوتا ہے کہ اس طرح کی کوتاہیوں پر رفقا میں بندوں کی طرف سے بازپرس ہونے پر ایک حد تک ندامت تو ہوتی ہے،

لیکن ان میں بالعموم وہ احساس گناہ رونما نہیں ہوتا جو ہونا چاہیئے۔ طاعتِ امر اور طاعتِ نظم میں کوتاہی جھوٹ بولنے، کسی کو گالی دینے، وعدہ خلافی کرنے، حق تلفی کرنے، خیانت کرنے، چوری کرنے، غیبت کرنے، جھوٹی شہادت دینے اور اسی طرح کے دوسرے بڑے بڑے جرائم سے کم درجے کی چیز نہیں ہے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ انفرادی اخلاق کے مذکورہ بالا تقاضوں سے اگر کبھی انحراف ہو جائے تو فوراً کھٹک ہونے لگتی ہے اور توبہ و انابت الی اللہ کا جذبہ ابھرتا ہے، لیکن جماعتی اخلاق کے تقاضوں کو پامال کرنے پر دلوں میں گنہ گار ہونے کا وہ احساس ندامت پوری طرح نہیں ابھرتا جو فوراً توبہ و استغفار اور تلافیٔ مافات اور اصلاحِ طرزِ عمل کی شکل اختیار کر لے۔

جماعتی اخلاق کی قدر و قیمت انفرادی اخلاق سے بدرجہا بلند ہے اور اسی وجہ سے جماعتی اخلاق میں کمزوری دکھانا زیادہ شدید قسم کی معصیت ہے۔ رفقا کو اب اس حقیقت کا احساس کرنا چاہیئے۔ ہم اگر فرائض مفوضہ کو انجام دینے میں، کسی کام کے لئے وقت نکالنے میں، کسی پروگرام میں اپنا حصہ ادا کرنے میں، کسی موقع متعین پر بروقت پہنچنے میں یا دوسری طرف اہلِ امر کے حقوق ادا کرنے میں، ان کی خیر خواہی کے تقاضے پورے کرنے میں صحیح اسلوبِ تنقید اختیار کرنے میں، مشورے اور معلومات بہم پہنچانے میں، رازداری کا حق ادا کرنے میں یا طاعتِ امر سے عہدہ برآ ہونے میں کوئی کوتاہی دکھائیں تو ایسی ہر کوتاہی پر ایک شدید قسم کا جذبۂ ندامت ہمارے اندر ابھرنا چاہیئے ــــ ایسا جذبۂ ندامت جو توبہ و استغفار پر مائل کرے، جو عجز کی پیشانی حضورِ رب العٰلمین میں جھکانے پر آمادہ کرے، جو متعلقہ اہلِ امر یا رفقا سے معذرت طلبی پر اکسائے، جو تلافیٔ مافات کے لئے زیادہ شدید سرگرمیٔ کار پیدا کرے اور جو انفاق کی اسپرٹ کو ابھارے۔

یہ بات اگر ہم میں پیدا نہ ہوگی تو اسلامی خطوط پر اپنے نظمِ جماعت کو نشو و نما دینا ہمارے لئے کبھی ممکن نہ ہوگا؟

---

(۵) امر و طاعت کے مذکورہ بالا تقاضوں کو نہ محض اپیلیں پورا کرا سکتی ہیں، نہ دستور و آئین کی دفعات، بلکہ صرف رفقائے جماعت کا احساس ذمہ داری ہی ان تقاضوں کی تکمیل کا ضامن ہو سکتا ہے۔ (باقی بر صفحہ ۳۴۴)